تحریکِ ہجرت

(چند خیالات)

گزشتہ سے پیوستہ

ہجرت کی حالت

۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی اور جمعیت علمائے ہند ۔ دو جماعتیں سیاست میں پیش پیش تھیں لیکن ہجرت کے بارے میں ان کے رہنماؤں سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا ۔ جن حضرات نے تحریک شروع کی تھی ان کے سامنے کوئی منصوبہ نہ تھا ۔ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر کسی کی نظر نہ تھی ۔ ان کے عواقب و نتائج پر کسی نے غور نہیں کیا تھا کہ ہندوستان سے تمام مسلمان ہجرت کر جائیں گے یا کچھ لوگ ہجرت کریں گے اور کچھ یہاں رہ کر ملک اور قوم و ملت کی خدمات انجام دیں گے ۔ تمام لوگ کس طرح ہجرت کریں گے کچھ لوگ جو ہجرت کریں گے ان کے سامنے کیا مقاصد ہیں ؟ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا تھا ۔ چاروں طرف سے ہجرت ہجرت کی آوازیں آ رہی تھیں اور افغانستان چلو افغانستان چلو کے نعرے بلند ہو رہے تھے کوئی رائے دہائی نہ تھی ، ہر شخص دیوانہ بنا ہوا تھا ، کوئی نظم و ضبط نہ تھا ۔ قومی پیمانے پر ایک عظیم الشان عمل انجام پا رہا تھا ۔ لیکن فیصلہ ہر شخص اپنے طور پر انفرادی سطح پر کرتا تھا ۔ اور ہنگامے میں شریک ہو جاتا تھا

ہجرت کے عمل کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی تھی ۔ حیدرآباد اور پشاور میں ہجرت کے دفتر قائم کر دیئے گئے تھے تاکہ جانے والے وہاں اپنے نام اور پتے لکھوا دیں ۔ انھیں کوئی ہدایت نہ دی جاتی کہ وہ افغانستان کن مقاصد کے لئے ہجرت کر رہے ہیں ، افغانستان میں کہاں جائیں گے ، کیا کریں گے اور خلافت کے مسئلے اور سوراج کے حصول میں کس طرح ممد و معاون ثابت ہوں ان کا ہندوستان سے اور یہاں کے رہنماؤں سے کیا تعلق ہوگا ۔ مقاصد کی تعلیم کے لئے کوئی نصاب کسی کے پاس نہ تھا

اور ان کی تربیت کے مسئلے پر کسی نے توجہ دی تھی۔ جو لوگ تحریک میں آگے آگے تھے اور جلسوں میں تقریریں کرتے تھے انھوں نے سنجیدگی کے ساتھ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور ہی نہیں کیا تھا ان میں سے بعض تو تکودراسے کے آدمی ہی نہ تھے۔ وہ جذبات کو بھڑکاتے اور عمل کا جوش پیدا کرتے تھے لیکن جوش اور قوتِ عمل سے کام لینے کی صلاحیت ان میں بالکل نہ تھی۔

تحریکِ ہجرت اور مولانا آزاد:

تحریکِ ہجرت کے پورے دور اور ہنگامے میں صرف ایک صدائے بصیرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تھی جس میں شریعت کے حکم کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ہمیں ان کی بصیرت افروز رائے اور فتوے کو زیرِ بحث لاتے ہوئے اس حقیقت کو نظرانداز کر دینا نہ چاہیئے کہ انھوں نے ہجرت کا ایک نظامِ عمل پیش کیا تھا لیکن یہ نہایت المناک بات ہے کہ اس پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ مولانا نے شریعت کے حکم کے ساتھ اس کے طریقۂ کار کو بھی واضح کیا تھا۔ اسی سے اس اصول کی نشاندہی ہوتی ہے کہ انفرادی ہجرت کے سوا جو ہر کسی کے ذاتی حالات و مصالح اور ذاتی فیصلے پر مبنی ہوتی ہے۔ اجتماعی ہجرت کا ہرگز یہ طریقہ اسلامی نہیں کہ ہر شخص اپنے طور پر فیصلہ کرے اور نکل کھڑا ہو۔ قومی اور اجتماعی ہجرت کا فیصلہ اجتماعی حالات و مصالح کے پیشِ نظر کیا جائے گا۔ اس فیصلے کا اختیار بھی جماعت یا جماعت کے اصحاب اے یا ان کی کسی مقرر کردہ کمیٹی کو حاصل ہوگا۔ مولانا نے اپنے فتویٰ میں اس طرف رہنمائی کی تھی کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر عازمِ ہجرت ہے تو وہ اپنے عزم سے جماعت کو مطلع کرے۔ جماعت غور کرے گی کہ اس کا ہجرت کرنا کس حد تک مفید ہو سکتا ہے یا ہجرت کے مقابلے میں ملک کے اندر رہ کر ملک اور قوم کے بارے میں جماعتی کام بجالانا زیادہ مفید ہوگا؟

چونکہ یہ حقیقت مولانا کے پیشِ نظر تھی کہ نہ تو تمام مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر جا سکتے ہیں اور نہ سب کا ہجرت کر جانا مقصود ہی ہے ملک کے اندر بھی قومی خدمت کے پروگرام پر عمل کرنا تھا اور ہجرت کرکے بیرونِ ملک ایک محاذ بھی قائم کرنا تھا۔ مولانا نے ہجرت کے فلسفے کی تائید کی تھی۔ یہ قوموں کی ترقی، ان کے نشو و ارتقا اور ان کے بقاء و استحکام کے لئے عظیم الشان عمل ہے۔ مولانا کا مضمون "قانونِ ہجرت اور آثارِ تمدن" جو "افکارِ آزاد" میں شامل ہے در حقیقت فلسفہ و حکمتِ ہجرت پر ایک بے نظیر مضمون ہے لیکن یہ ایک

فلسفیانہ مضمون ہے، نہ سیاسی ہے نہ خالص دینی۔ ۱۹۲۰ء کی تحریک ہجرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
۱۹۲۰ء میں ہندوستان سے ہجرت کے باب میں انھوں نے جو رہنمائی کی تھی، اس کی تفصیل مولانا کے مضمون "اعلان" میں موجود ہے۔ اسی مضمون کا وہ ٹکڑا ہے جو فتوے کی حیثیت سے اہلِ حدیث امرتسر میں شائع ہوا تھا۔ اور اب "تبرکاتِ آزاد" میں شامل ہے۔ اس مضمون سے ہجرت کے جس طریقِ عمل کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، یہ ہے کہ:

۱. عازمِ ہجرت کے حالات اور صلاحیتوں کی روشنی میں مسئلہ خلافت کے حل اور سوراج کے حصول کے مقاصد و منافع کے پیشِ نظر ہجرت کا فیصلہ جماعت کرے گی۔
۲. ہجرت کرنے سے پہلے ہجرت کی بیعت کرنا ضروری ہے۔

اگر ہجرت کا عمل اس طریقہ کار اور ان شرائط کے مطابق انجام پاتا تو نظم وضبط بھی پیدا ہو جاتا ہے اور فوائد یقینی اور نقصانات کم سے کم ہوتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے جوش اور ہنگامے میں ان اصول و شرائط کی کسی نے پروا نہ کی اور ایک المناک صورتِ حال سے قوم کو دوچار ہونا پڑا، ایسی صورت میں کہ کوئی اجازت یا فتویٰ مشروط ہو تو شرائط کی تکمیل کے بغیر اس پر عمل کے نتائج کی ذمہ داری، خواہ مثبت ہوں خواہ منفی، صاحبِ اجازت یا مفتی پر عائد نہیں ہوتی بلکہ مشروط فتوے کا شرائط کی تکمیل کے بغیر نفاذ ہی نہیں ہوتا غلط یا صحیح نتائج کی ذمہ داری کا کیا سوال؟

مجھے یقین ہے کہ مولانا آزاد تحریکِ ہجرت کے حق میں ہرگز نہ تھے۔ لیکن انھوں نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی طرح چناں و چنیں کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے دوٹوک انداز میں صحیح شرعی صورت حال بیان کر دی۔ انھوں نے فتویٰ ہجرت کی جو جاری کیا گیا تھا مخالفت بھی نہ کی، اگر وہ ایسا کرتے تو ایک نئی بحث شروع ہو جاتی اور ایک مذہبی مسئلے میں نزاع سے فائدہ کم اور مسلمانوں میں انتشارِ ذہنی و فکری کا نقصان زیادہ ہوتا۔

مولانا کے فلسفۂ عمل کی یہ خاص بات ہے کہ اپنی کسی رائے کے اظہار سے وہ کوئی مذہبی نزاع نہ پیدا کرتے تھے۔ البتہ جب ہجرت کے باب میں قطعی رائے کا اظہار ناگزیر ہو گیا تھا تو انھوں نے علی الاعلان اس کا اظہار کیا چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم کا ایک خط اس مجموعے میں ملاحظۂ گرامی میں آئے گا۔

مولانا کا وہ فتویٰ بھی، ہجرت کے عمل میں سرگرمی کا نہیں رکاوٹ کا باعث بنا تھا۔ اور بعد کی واضح اور دوٹوک رائے نے تحریکِ ہجرت کے عمل میں میخ ٹھوک دی تھی۔

---

[1] یہ تحریر "تحریکِ ہجرت" کے مقدمے کے طور پر لکھی گئی ہے۔ تحریکِ ہجرت میں یہ خط اور کئی دیگر دستاویزات شامل ہیں (ا۔ س۔ ش)

اس بات کو بھی بالکل نظرانداز نہ کر دینا چاہیئے کہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ تحریک انگریزوں کی ایماء پر شروع کی گئی تھی۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہ کرنا چاہیئے تحریک خلافت کے زمانے کے ہندو مسلم مثالی اتحاد کو توڑنے کے لئے کسی ایسے ہی عمل کی ضرورت تھی جس کی ہندو تائید کریں یا مخالفت — دونوں صورتوں میں بدگمانیاں یکساں طور پر پیدا ہوں۔

تحریک کی بعض شخصیات :

مولانا عبدالباری فرنگی محلی، علمائے ہند میں غیر معمولی شخصیت کا نام ہے۔ ان کا اخلاص ہر شک و شبہ سے پاک اور ان کا جذبہ خدمت ملی قطعاً بے میل تھا۔ وہ نہایت مخلص، بے ریا اور لوث و حرص سے پاک قلب کے مالک تھے لیکن طبیعت میں استقلال اور رائے میں اصابت نہ تھی۔ دوسروں کی رائے سے بہت جلد متاثر ہو جاتے تھے اور گومگو کی کیفیت میں پڑ جانے والے بزرگ تھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہجرت کے وجوب و عدم وجوب کے مسئلے میں شروع سے آخر تک گومگو کی کیفیت اور حیص و بیص کی حالت سے نکل نہ سکے ان کے فیصلوں پر خود ان کے مریدین و مخلصین مثل مولانا شوکت علی اور مولانا منیرالزماں اسلام آبادی کو اعتماد نہ تھا۔

فتویٰ ہجرت کے سلسلے میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام بھی آیا ہے واقعہ یہ ہے کہ ان میں آخرالذکر کے سوا کوئی عالم دین نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے فتویٰ نویسی کا شغل کبھی اختیار نہیں کیا یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ فکر و تدبر ان میں سے کسی کی سیرت کا جوہر تھا ہی نہیں۔ مولانا محمد علی تو اس وقت ہندوستان میں موجود بھی نہ تھے، وہ وفد خلافت کے ساتھ یورپ گئے ہوئے تھے۔ یورپ سے لوٹے تو ہنگامہ ہجرت سرد پڑ چکا تھا، ہوتے بھی تو دونوں بھائی جوش و جذبات کے پروردہ تھے اور تعقل و تدبر کی عین ضد۔

مولانا ظفر علی خاں کی ذہانت و فطانت کے باب میں دو رائے نہیں ہو سکتیں لیکن وہ صرف شاعر تھے ان کی شخصیت کا اصل جوہر اصابت رائے نہ تھا۔ وہ تحریک کے مقصد اور حالات سے محض بے خبر تھے۔

ہجرت کے باب میں ان حضرات کی کسی رائے کا حوالہ ان کے مقام سے محض ناآشنائی کا ثبوت ہے۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری دیو بند کی انقلابی جماعت کے خطیب تھے ان کے فضائل و محامد کا دائرہ بہت وسیع تھا لیکن ان کی اصل خصوصیت اور سیرت کا اصل جوہر عزیمت دعوت اور استقامتِ عمل میں تلاش کرنا چاہیئے۔

عزیز ہندی ایک جذباتی نوجوان تھے ان میں نہ سیاسی شعور تھا نہ کسی مدبرانہ صلاحیت کے مالک، نہ عالم دین تھے، نہ دانشور نہ مدبر و سیاس، نہ ان کی تعلیم مکمل تھی نہ انھیں سیاسی و دینی کاموں کا تجربہ تھا۔ انھوں نے جو کچھ کہا وہ ایک نوجوان کے جذبات کا پُرجوش انفجار تھا اور جو کچھ لکھا وہ حالات و واقعات کے سلسلے میں کتنا ہی درست اور مفید مطالعہ کیوں نہ ہو، سیاسی حالات و واقعات کے تجزیے اور، ہجرت کے فلسفے اور اس پر حکیمانہ تبصرے کے باب میں ہرگز لائق اعتنا نہیں۔ اس کا حوالہ محض بے سود ہے انھوں نے خود اعتراف کیا تھا:

"ابھی ہجرت کی تحریک شروع نہیں ہوئی تھی اور نہ میں نے ابھی اس کا اعلان ہی کیا تھا اور نہ میں اس وقت تک جانتا ہی تھا کہ اسے کب اور کیسے شروع کر سکوں گا۔ کچھ بھی ہو میں ملک کے اندر اس وقت کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا۔ میں ایک معمولی پڑھا لکھا نوجوان تھا جسے وقت کے سیاسی اور دینی بحرانوں نے سطح پر لا ابھارا تھا؟"

کوئی رہنما انھیں منہ نہ لگاتا تھا اور نہ ان پر کوئی اعتماد کرتا تھا، خود ان کے ذوق و معیار پر بھی کوئی پورا اترتا تھا۔ مولانا آزاد سے بیعت کی تو اطاعت سے انحراف کیا، مولانا ظفر علی خان، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا فضل الٰہی وغیرہ کو "استعمال کرنے" کے زعم میں مبتلا تھے، ہجرت کے بارے میں کسی فتوٰی اور رہنمائی کے بغیر تبلیغ اور تحریک شروع کر دی تھی، مولانا فضل الٰہی نے گفتگو میں احتیاط برتی تو ناراض ہو گئے۔ بھلا کہاں مولانا فضل الٰہی کی تبلیغ و تربیت سے جہاد و ہجرت کے لئے تیار ہونے والے چند مردانِ کار اور اصحاب عزیمت اور کہاں مقاصد وقت سے محض ناآشنا اور ایک غیر شرعی، جاہلی زندگی کے پروردہ اور خام کار چند سو —— ان اصحاب عزیمت کے سامنے چند سو تو کیا ہزاروں کی بھیڑ کی بھی کیا حقیقت تھی اور کہاں مولانا فضل الٰہی کا مقامِ عزیمت دعوت اور کہاں وقت کے سیاسی ہنگاموں اور دینی بحرانوں کی پیداوار "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص اپنے ذوقِ جہالت کے پیمانے سے سلطانِ وقت اور اسکندر عزم حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک اصلاح و جہاد کے تاریخ اور اس کے اصحاب عزیمت دعوت کے کاموں کی پیمائش کر رہا ہے۔

عزیز ہندی جوان سال تھے۔ جلیاں والا باغ کے واقعات کے سلسلے میں گرفتار ہوئے، بیس سال کی سزا کے حکم نے حواس باختہ کر دیا۔ ہمت اور برداشت نے جواب دے دیا۔ خدا سے عہد باندھا کہ اگر رہا ہو گئے تو اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دیں گے۔ لیکن علم و بصیرت، زندگی کے تجربے اور وقت کے کسی عالم دین اور مدبر کی رہنمائی کے بغیر تحریک ہجرت شروع کر دی۔ بعض حالات کا سامنا کرنا پڑا تو فتویٰ کی ضرورت محسوس ہوئی فتویٰ پوچھا تو اس لئے نہیں کہ دینی تعلیمات اور شریعت مطہرہ اسلامیہ کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل مرتب کریں بلکہ اپنے فیصلے اور عمل کی توثیق کے لئے۔

گاندھی جی اور تحریک ہجرت:

جمعیت علمائے ہند کے پس پشت ہندو رہنماؤں اور ہندو صحافت کا کبھی کوئی اثر نہیں رہا "جمعیت" علمائے ہند کا ایک مقتدر ادارہ تھا۔ اس کے فیصلے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی اور ملک اور مسلمانوں کے مفاد میں ان کی اپنی صواب دید پر ہے۔ برٹش استعمار کے خلاف اس نے ملک کی انقلابی قوتوں کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ اور بارہا اُن کے فیصلوں سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا۔ مجلس خلافت مرکزیہ کے مقاصد میں مسئلہ خلافت کے تصفیہ کے ساتھ سوراج کی شق کا اضافہ خدانخواستہ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے ہرگز نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس وقت کے تمام مسلم اکابر اس بات پر متفق نہ تھے کہ اسلام کی آزادی کے لئے ہندوستان کی آزادی قطعی ضروری ہے بہ قول مولانا محمد علی:

> "اگر تمھیں (مسلمانوں کو) ہندوستان سے کچھ سروکار نہیں، صرف حرمین، بیت المقدس اور عرب کی حکومت کافروں (انگریزوں کو) سے واپس لینی ہے تو پہلے ہندوستان کو سوراج دلا دو۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی یہی کہا تھا کہ ہندوستان کی آزادی پر اسلامی ممالک کی آزادی کا دارومدار ہے گاندھی جی کا بھی یہی کہنا تھا کہ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد انگریز ایشیا میں کہیں نہ ٹک سکے گا۔

تحریک خلافت کے لئے جو پروگرام بنائے گئے انھیں خالص سیاسی بنیادوں پر چلایا گیا تھا۔ یہ پروگرام خلافت اور سوراج کے رہنماؤں کے مشوروں اور کانگریس، خلافت کمیٹی اور جمعیت علمائے ہند کے فیصلوں کی روشنی میں بنائے گئے تھے۔ لیکن اس کے دینی پہلوؤں سے مسئلہ خلافت کی تعبیر و تشریح صرف علمائے ہند کی ذمہ داری

بھی اور وہی اس سے عہدہ برآ ہوتے تھے ۔ تحریک کے اس پہلو سے گاندھی جی یا کسی اور غیر مسلم رہنما کا کوئی تعلق نہ تھا ۔ اس کے باوجود گاندھی جی کو دو باتوں کے لئے سب سے زیادہ مطعون کیا گیا ہے ۔

۱۔ تحریکِ ہجرت کی حمایت کرنے میں ، ان کے عمل کو مسلمان دشمنی سے تعبیر کیا گیا ۔ گویا کہ ہندو ہونے کی حیثیت سے ہندوستان میں مسلمانوں کی قوت توڑنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا ۔ لیکن انھیں اس الزام سے کیسے بچایا جا سکتا ہے ۔ اگر وہ تحریکِ ہجرت کی مخالفت کرتے تو ایک اسلامی عمل میں رکاوٹ ڈالنے کا مجرم قرار دیا جاتا ۔ جبکہ مسلمان علماء اور رہنما بھی تحریکِ ہجرت کے مویدین اور مخالفین کے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ گاندھی جی کسی گروہ کی بھی حمایت کرتے ، دوسرا گروہ انھیں الزام دینے سے باز نہیں رہ سکتا تھا ۔ خصوصًا برطانوی استعمار کے ایجنٹ کسی معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد دیکھ ہی نہ سکتے تھے ان کا سب سے بڑا مشن ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں غلط فہمیوں کا فروغ اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانا تھا ۔ ان کی حکومت کی بقا کا انحصار ہی ہندو مسلم اختلاف پر تھا ۔

جو حضرات تحریکِ ہجرت میں گاندھی جی کے رویے کے خلاف تھے وہ تحریکِ خلافت ہی کے کب مؤید اور حامی تھے ؟ ایک مذہبی مکتبہ فکر کے علمانے تو عثمانیوں کے حقِ خلافت ہی کے خلاف بحث چھیڑ دی تھی ۔ اتحاد و ترقی کے ترکی کے زعماپر کفر و بے دینی کے فتوے صادر کر دیتے تھے اور ترکی مقبوضات پر دول متحدہ کے تصرف میں ان کے لئے جواز مہیا کر رہے تھے ۔ ایک فرقے کے رہنما نے ترکوں کو یورپین ترکی چھوڑ دینے اور ایشیائی ترکی پر قناعت کر لینے کا مشورہ دیا تھا ۔ جبکہ درۂ دانیال اور قسطنطنیہ پر دول متحدہ کا قبضہ تھا اور خلیفہ وقت حراست میں تھا ۔ یعنی صورت حال یہ تھی یورپین ترکی ترک خوشی سے چھوڑ دیں ۔ اور ایشیائی ترکی کے دارالخلافہ قسطنطنیہ پر وہ زبردستی قبضہ کر کے خلیفہ کو حراست میں لے لیں ۔ پھر ترکی کہاں رہا اور مسلمانوں کا ایک سیاسی مکتبہ فکر اور تعلیمی مرکز تو ترکی کے کسی معاملے میں مداخلت کرنے اور تحریک چلانے کا ہی سرے سے مخالف تھا ۔

اگر گاندھی جی بریلوی ، آغا خانی یا علی گڑھ کے مذہبی و سیاسی مکاتبِ فکر کے ہم راے ہوتے تو کیا ان حضرات کے مطابق ان کا عمل "اسلامی خدمت" قرار پاتا ۔

۲۔ تحریکِ خلافت ہی کے باب میں پروگرام کے خاتمے کی ذمہ داری کے حوالے سے بھی گاندھی جی کو بہت مطعون کیا گیا ہے ۔ مخالفین کا خیال ہے کہ گاندھی جی نے تحریک کو ختم کر کے خلافت کے مقاصد کو نقصان

پہنچایا لیکن جو حضرات اس باب میں گاندھی جی کو الزام دیتے ہیں۔ وہ خود تحریک خلافت کو مسلمانوں کے مفاد میں کب سمجھتے تھے۔ اور تحریک خلافت کے مسلمان رہنماؤں کے بارے میں ان کی رائے اس سے مختلف کب تھی؟ مخالفین کی ایک جماعت تو ان مسلمان رہنماؤں کو مسلمان ہی نہ سمجھتی تھی، ان کے فتوے موجود ہیں۔ اگر گاندھی جی نے تحریکِ خلافت کا پروگرام "ترکِ موالات" ختم یا معطل کر دیا تھا تو اُن کے نقطۂ نظر سے تو گاندھی جی کا عمل اسلامی اور مسلمانوں کی خدمت شمار کیا جانا چاہیئے۔

گاندھی جی تحریک ہجرت سے مؤید تھے تو گویا مولانا عبدالباری، محمد علی، شوکت علی، ظفر علی خان، عزیز ہندی وغیرہ سے ساتھ تھے اور اگر وہ تحریک کے مخالف تھے تو محمد علی جناح، اقبال، خلیق الزماں، (سر) محمد شفیع (سر) فضل حسین وغیرہم سے ہم خیال تھے۔ اگر ان کی موافقت یا مخالفت کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کی دوستی سے تھا تو آیئے ان سب بزرگوں کی "اسلام دوستی" کے بارے میں فیصلہ کر لیں۔

یہ نہ سمجھیئے کہ گاندھی جی تحریک کو جاری رکھنے کا مشورہ دیتے، تحریک جاری رہتی اور تحریک کو برٹش ڈپلومیسی نقصان پہنچاتی تو گاندھی پر کوئی الزام نہ آتا۔ اس وقت کا الزام یہ ہوتا کہ گاندھی جی نے مسلمانوں کو مروا دیا اور تحریک کی لٹیا ڈبو دی اور یہی ان کا مقصد ہی تھا۔

یہ بات بھی نظر انداز نہ کر دینا چاہیئے کہ گاندھی جی نے تحریک خلافت کو ختم نہیں کیا تھا اس کے پروگرام ... نہیں ... تھا۔ اس لئے کہ ترکِ موالات کو "عدم تشدد" کی شرط کے ساتھ چلانا، اہم رہنماؤں کی عدم موجودگی میں ... گرفتار ہونے اور جیل چلے جانے کی وجہ سے ممکن نہ تھا۔

رہے وہ حضرات جو تحریکِ خلافت کے مؤید اور کسی درجے میں اس کے رہنما تھے، تو بلاشبہ ان میں سے بعض حضرات "پروگرام" (نہ کہ تحریک) کے خاتمے کے حق میں نہ تھے، لیکن جب کانگریس کے اجلاس میں گاندھی جی کی تحریک "پروگرام" کے تعطل کے بارے میں پاس ہوئی تو

۱۔ اول تو یہ تجویز ... حکیم اجمل خان، ڈاکٹر ... دوسرے مسلمان مدبرین کے ... سے کیا گیا تھا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جب تک مرکزیہ خلافت کمیٹی کے اجلاس بمبئی ... جمعیت علمائے ہند ... میں توثیق نہیں کی گئی۔ اس تجویز پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ پھر اگر تحریک خلافت کے پروگرام کے تعطل کی تجویز اور فیصلے کے مجرم تھے تو گاندھی جی ہی کیوں؟ کانگریس کے تمام مسلمان ارکان مجلس عاملہ، خلافت کمیٹی کے تمام ارکان جو سب مسلمان تھے اور جمعیت علمائے ہند کے تمام علماء جو

دیوبند، فرنگی محلی، بدایوں، خیرآباد کے خانوادہ ہائے علمی اور اہلِ حدیث مکتبہ فکر کے نمائندوں پر مشتمل تھے، سب مجرم ٹھہرے!

ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق اور بدگمانیاں پیدا کرنے کے لحاظ سے تو یہ ایک نہایت موثر حربہ تھا لیکن عقل و انصاف کی عدالت میں زیرِ بحث مسئلے کے نقطۂ نظر سے یہ ایک نہایت بودا دعویٰ تھا۔

ہجرت کے مختلف واقعات:

ہندوستان سے ہجرت الیٰ عرب و حجاز اور مختلف اسلامی ممالک میں قیام و سکونت کے واقعات مسلمانوں کے عہدِ حکومت کے مختلف ادوار اور تاریخ کے ہر دور میں ملتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان کی سکونت کا ترک اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ یا جزیرۃ العرب کے کسی مقام اور شہر میں یا کسی اور ملک میں قیام و سکونت کے واقعات پر ہجرتِ نبویہ کے تتبع کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور اسے ہجرتِ اسلامی کہا جا سکتا ہے؟ صدیوں پر پھیلے ہوئے سیکڑوں واقعات جو ہجرتِ مقدسہ کے اسم و عنوان ہی سے موسوم و معنون ہیں، ان کے عازمین کے اخلاص و نیت کے بارے میں بہ یک جنبشِ قلم کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ترکِ سکونتِ ہندوستان کا سبب خواہ کچھ ہو اور یہ ترک فرار، اخراج یا کسی اور مصلحت کے ضمن میں کیوں نہ آئے لیکن قیام و توطن کے لئے دوسرے مقامات و ممالک پر مکہ و مدینہ اور عرب کو ترجیح دینا بھی ذوقِ دینی کا ثبوت اور ایک خاص شرف و فضیلت کی [illegible] سے یہاں پر دو باتوں کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ ۱۹۲۰ء کی ہجرت افغانستان نہ اسلامی ہجرت تھی اور نہ حالات کی سنگینی میں مظلومانہ فرار تھا۔ یہ محض ایک حادثہ تھا۔ جس کا عنوان مذہبی اور مقاصد سیاسی تھے۔ ممکن ہے عازمینِ ہجرت میں ایسے سادہ دل موجود ہوں جو اسے خالص دینی اور اسلامی عمل سمجھتے ہوں بلکہ یقیناً ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص نیت کے ثواب کو ہرگز ضائع نہ فرمائے گا۔ لیکن فی الواقع نہ تو یہ اسلامی عمل تھا اور نہ ہی اس سے ہندوستان میں اسلامی زندگی کو کوئی فائدہ پہنچا۔ یہ ہندوستان کی قومی و ملی زندگی کا ایک حادثہ تھا۔ جو پیش آیا اور اس کے نتائج خواہ کچھ نکلے ہوں۔ ملی تاریخ میں اس کا ذکر ناگزیر ٹھہرا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ۱۸۰۲ء کی ہجرت کا واقعہ ۱۸۳۱ء میں اصلاح و جہاد کی ناکامی کے بعد سے کر ۱۹۱۵ء تک

ہندوستان سے ہجرت کے مختلف واقعات سے اپنے پس منظر، مقصد اور تاریخ میں بالکل جدا حیثیت رکھتا ہے۔ اسے کسی اور واقعے سے ملا نہ دینا چاہیئے حتی کہ ۱۹۱۵ء میں لاہور سے طلبہ کی ہجرت کے واقعے کو بھی اس سے الگ رکھنا چاہیئے

مولانا عبیداللہ سندھی :۔

مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کا سفرِ افغانستان یا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے حجاز جانے کے واقعات کا تعلق ملک کی آزادی کے ایک الگ انقلابی منصوبے سے تھا۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ہجرت کے مبادی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ جس طرح مولانا سندھی کا ہندوستان سے افغانستان جانا تحریک ہجرت سے تعلق نہ رکھتا تھا، اس طرح ان کے افغانستان چھوڑنے کا پس منظر بھی کسی کمیونسٹ نوجوان سے تعلقات نہ تھے۔ مولانا سندھی ہندوستان کی آزادی کا ایک انقلابی منصوبہ لے کر افغانستان گئے تھے، انھوں نے وہاں آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت بنائی تھی۔ جنود ربانیہ کے نام سے ہندوستان کی نجات دہندہ فوج قائم کی تھی۔ برٹش انڈیا افغانستان کے جھگڑے میں انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے اہم رول ادا کیا تھا۔ افغانستان کی کامیابی اور آزادی میں ان کا حصہ تھا۔ اب جبکہ افغانستان اور برٹش انڈیا میں معاہدہ طے پا گیا تھا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ مولانا کو انگریزوں کے خلاف وہاں بیٹھ کر کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ ہاں اگر مولانا سندھی اپنی تحریک سے دست بردار ہوجاتے تو ان کے لئے افغانستان میں قیام کی پیشکش موجود تھی، لیکن مولانا اپنے منصوبے کو ترک کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور انھیں افغانستان سے رختِ سفر باندھنا پڑا۔

تحریکِ ہجرت اور اس کے اثرات :

تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس سے ہماری قومی اور سیاسی زندگی کو فائدہ پہنچا یا نقصان؟ جس طرح سیلاب آتا ہے تو تباہی و بربادی اس کے جلو میں آتی ہے لیکن اپنے پیچھے زرخیزی چھوڑ جاتا ہے اور بارش جب زمین کے لئے حیاتِ تازہ کا پیغام لے کر آتی ہے تو بعض اوقات کھیتیاں تباہ و برباد بھی ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح کسی قوم کی زندگی میں تحریکیں ہوتی ہیں بعض تحریکیں سیلاب کی طرح ہوتی ہیں۔ بعض کی مثال بارش میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔ اُن کے نفع و نقصان کے اندازے کے لئے کوئی پیمانہ

ہوگیا نہیں ہوا جس سے ناپ تول کر فیصلہ کر دیا جائے کہ اتنا نفع ہوا یا اتنا نقصان۔

تحریک ہجرت کی بدولت ذہن کو بہت نقصان اٹھانے پڑے، سیکڑوں خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔ لیکن اس واقعہ سے ملک کی آزادی اور اسلامی ممالک کی آزادی اور ترقی کی جانب برصغیر کے مسلمانوں کی دلچسپی کا اندازہ بھی ہو گیا۔ اور اس سے یہ بھی پتا لگ گیا کہ مسلمان قومی و ملی زندگی کے تقاضوں کو کس تمام سختی اور ایثار و قربانی کی راہ میں کتنی حد تک جا سکتے ہیں۔ اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اس تحریک کی وجہ سے جو نقصانات ہوئے تھے، ان میں سے برٹش استعمار کے حصے کو بھی نظر انداز نہ کر دینا چاہئے۔ اس تحریک کو درپردہ ناکام بنانے کے لئے اندرون ملک سے بیرون ملک تک برٹش استعمار کے ہزاروں ایجنٹوں نے کام کیا تھا۔ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں نے مہاجروں میں تفرقہ پیدا کیا، ان کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے لڑایا، ان کے درمیان بدگمانیاں پیدا ہوئے، ہندوستان میں مسلمانوں کو ہجرت پر اکسایا اور افغانستان میں ان کے ذریعہ ... اختلافات کو ہوا دی، مقامی حضرات کو مہاجروں کے خلاف بھڑکایا، ملک کے لئے ... زمینوں کے دیئے جانے، ان کے لئے روزگار فراہم کرنے اور سرکاری دفتری نظام میں ان کی ... کو ان لوگوں کے سوء پر اکالا اور ان کو نقصان ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح ہجرت سے ... کو جتنا نقصان پہنچا تھا، اس سے کہیں زیادہ نقصان برٹش حکومت کے ایجنٹوں نے تحریک ہجرت ... کو پہنچایا۔

انگریزوں نے ملک کی ایک نامور مسلمان اور ذہین شخصیت کو افغانستان میں ... تحریک کو ... پروگرام بنایا تھا۔ آخر انگریز ایسا کیوں چاہتا تھا۔ مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لئے یا اپنے ... تحریک ... دست انداز کرنا چاہتا تھا؟

ہمیں ہجرت جیسی ملی تحریک کے نفع و نقصان کو صرف سندھ اور سرحد کے میدانوں میں تلاش نہ کرنا چاہئے بلکہ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ تحریک ہجرت سے افغانوں کی سیاسی بیداری کا ایک دور شروع ہوا، ... کی آزادی کی تحریک میں ہندوستانی انقلابی عنصر کی شمولیت سے قوت پیدا ہوئی اور افغانستان ... حکومت کی صلح اور ایک باعزت سمجھوتے میں مزید یارا بڑھا۔ افغانستان کو ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے لئے استعمال کئے جانے کا آئندہ کے لئے سد باب ہو گیا۔

تحریک ہجرت کو ایک جنون ہی تصور کر لیا جائے تب بھی یہ سر نقصان کا سودا نہ تھا، اس کی بدولت مسلمانوں کی تحریک خلافت اور ہندوستان کی تحریک استقلال کا شہرہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔

تحریکِ ہجرت کا ایک اور فائدہ ہوا، ایسا فائدہ جو وقت کے ساتھ ... سب سے بڑا افادہ یہ کہ تحریکِ ہجرت کی بدولت ہندوستان کے عوام اور مسلمانوں کی بے چینیوں، ہندوستان کی سیاسی مسئلہ اور آزادی کی جدوجہد اور اس کے مقاصد سے ایران، روس اور ترکی کے لوگوں کو قریبی بلکہ براہِ راست واقفیت ہوئی۔ تحریکِ آزادیِ ہند میں ایک انقلابی عنصر کا اضافہ ہوا۔ اس عنصر کا تعلق بیرونِ ملک کی ایک انقلابی فکر و جماعت سے تھا۔ اس کے دو فائدے ہوئے۔

۱۔ روس کی انقلابی حکومت کو ہندوستان کی آزادی کے مسئلے سے گہری دلچسپی اس کے بعد ہوئی اور یہ اسی کا اثر تھا۔

۲۔ حکومتِ ہند اور برٹش استعمار کو تشدد کی پالیسی پر نظرِ ثانی کر کے اپنا سختی اور تشدد کا رویہ تبدیل کرنا پڑا۔

بلاشبہ اس بیرونی انقلابی فکر کے اثرات ہندوستانی نوجوانوں پر بھی پڑے، لیکن یہ اثرات گنتی کے نوجوانوں کے ذہنوں تک محدود تھے۔ ملک کی عام زندگی پر نہ اس کا کوئی اثر پڑا تھا نہ ملک میں کوئی انقلاب رونما ہو گیا تھا۔

پھر اس حقیقت کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیئے کہ جن نوجوانوں نے ان اثرات کو قبول کیا تھا۔ وہ اپنے ماحول، پس منظر، خیالات، اعمال، دینی تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے پہلے ہی کتنے مسلمان تھے جن کے انقلاب فکر و عمل کا ماتم کیا جائے۔ وہ پہلے ہی ایک غیر اسلامی اور جاہلی زندگی گذار رہے تھے، بعد میں بھی ان کی زندگی وہی رہی، وہ جتنے اور جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی اس کی فکر کو اختیار کر لینے کے بعد تھے۔

اگر انگریزوں نے شروع میں تحریک کو ڈھیل دی تھی تو اس لئے کہ مسلمانوں کا جوش نکل جائے۔ مہاجرین کے واپس آنے پر کسی قسم کی رعایت دی یا مدد کی تو اس لئے کہ آئندہ کسی تحریک میں حصہ لینے سے انھیں روکا اور دبایا جا سکے۔

تحریک کے مخالفین اور اُن کے درجے:

کسی تحریک میں مختلف اسباب، افکار، عقائد، مصالح ذاتی و اجتماعی کی بنا پر حمایت یا مخالفت کی جاتی ہے اس لئے کسی مسئلے میں ہر شخص کے عمل و اقدام کو یکساں حیثیت نہیں دی جا سکتی بمسئلۂ خلافت اور تحریکِ ہجرت کے بہت سے مؤید تھے اور بہت سے مخالف، اور ان سب کی حمایت یا مخالفت کے مختلف وجوہ تھے، مثلاً:

ایک شخص خلافت کا ایک خاص عقیدہ رکھتا ہے وہ اپنے عقیدے کے مطابق خلافت کے منصب کے تحفظ و دفاع کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ترکوں کے ساتھ سیاسی طور پر ناانصافیاں ہوئی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں وہ ان کی تلافی بھی [illegible] ہے کہ ترکی اور تمام اسلامی ممالک کے مصائب کی علت ہندوستان کی غلامی [illegible] کے ساتھ ملک کی آزادی کی جدوجہد بھی کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس کے عمل میں ایک [illegible] خدائیت ہوگی۔

۲- دوسرا شخص خلافت کے عقیدے اور مسلک [illegible] خاندان کسی اور کے حقِ خلافت کا غاصب ہے وہ سمجھتا ہے کہ تحریک خلافت [illegible] میں حصہ لینے سے اس کے عقیدے کے برعکس ترکی خلافت یا منصبِ خلافت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے اُس شخص کا رویہ اور عمل اول الذکر شخص سے بالکل مختلف ہوگا۔

۳. تیسرا شخص نہ عثمانیوں کو خلافت کا حق دار سمجھتا ہے اور نہ انھیں مسلمان بیان کرتا ہے اور اصلاحِ احوال کے لئے ہندوستان اور ترکی میں کوشاں ہیں وہ نہایت دیانت کے ساتھ اپنے مطالعے [illegible] کی بنیاد پر ترکوں پر انگریزوں کو ترجیح دیتا ہے اس کی مخالفت تحریک خلافت کی اصل و بنیاد یہی ہے

۴. چوتھا شخص نہایت سنجیدگی اور علمی دیانت کے ساتھ خلافت کا حق قریش میں محدود سمجھتا ہے، لیکن چونکہ عثمانیوں نے خلافت قائم کر لی ہے، اس پر صدیاں گزر چکی ہیں۔ ان کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے اس لئے ان کی خلافت نہ سہی، حکومت کو جائز سمجھتا ہے۔ لیکن جب ایک سید [illegible] (حسین شریف) مکہ کسی کی ایما و مشورے پر معصیتِ خروج پر کمربستہ ہوتا ہے اور خلافت سے بغاوت کرتا ہے، تو اس کے پس منظر کو جانتے بوجھتے کہ اس کا مقصد اسلامی حکومت یا منصبِ خلافت کی تنقیص و تقطیع ہے وہ اس کے خلاف نہ کوئی اقدام کرتا ہے نہ لب کشائی، اس شخص کے رویے کی کسوٹی پہلے شخص کا کیریکٹر نہیں ہو سکتا۔

۵. پانچواں شخص اسلام ہی کو نہیں مانتا۔ خلافت کے عقیدے پر ایمان یا اس سے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ سیاسی طور پر ترکوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے وہ صرف سیاسی پہلو سے تحریکِ خلافت کی تائید کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کا ساتھ دیتا ہے۔

یہاں ہم [illegible] کر سکتے ہیں۔ تحریک خلافت اور تحریک کے ہر حمایتی اور ہر مخالف [illegible] ان [illegible] کی کسوٹی پر [illegible] کیریکٹر کے بارے میں فیصلہ کر دیں؟

اگر ہم [illegible] خلافت [illegible] کے پروگرام اور ہجرت کے عمل کے حامیوں اور مخالفوں پر [illegible] ڈالیں [illegible] میں افکار و عقائد کا یہ اختلاف و تباین صاف نظر آ جائے گا اس سے ہمیں یہ [illegible] آسانی ہو گی۔

مولانا محمد [illegible] علی [illegible] ابوالکلام آزاد، ظفر علی خان۔

سر آغا خان [illegible] جسٹس امیر علی، قائد اعظم محمد علی جناح

بریلوی [illegible] اور

فرنگی محل لکھنؤ کے علماء کرام اور

مہاتما گاندھی اور غیر مسلموں کو کن خانوں میں رکھا جائے گا۔

یہی تماشے درحقیقت ان حضرات کے کیریکٹر کی کسوٹی ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خلافت کی راہ میں سب کچھ لٹا دینا ہی اس کے ایمان اور اس کے اسلامی کیریکٹر کا ثبوت ہے لیکن جو شخص خلافت کے منصب کو قریش یا اہلِ بیت کا غصب شدہ حق سمجھتا ہے۔ اُس کے ایمان کا ثبوت اور کریکٹر کا معیار یہ قرار پائے گا کہ وہ غصب شدہ منصبِ خلافت کو روایت کے حفظ و دفاع کے ہر عمل کی مخالفت کرے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع میں فائدہ اٹھایا جا سکے۔ چونکہ تحریک ہجرت میں خلافت ہی کا مفاد پوشیدہ تھا۔ اس لئے تحریکِ ہجرت کی مخالفت کرنا بھی ان کا مذہبی فریضہ تھا۔ اس بارے میں ہمیں ان سے شکوہ سنج ہونے کے بجائے ان کے کیریکٹر کی خوبی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ لیکن ایسے شخص کی رائے کا حوالہ خلافت کی تحریک یا ہجرت کے عمل میں دینا اور اس سے تحریک کے صحیح یا غلط ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

(ختم شد)